ایک حدیث

فنا و بقا کی نئی قدر

ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ:

انهم ذبحوا شاة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما بقی منها؟ قالت ما بقی منها الا کتفها قال بقی کلها الا کتفها۔

(عائشہ صدیقہ کے گھر والوں نے) ایک بکری ذبح کی (جس کا اکثر حصہ مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا) حضورؐ نے پوچھا کہ اس میں سے کچھ باقی بھی رہا ہے؟ عائشہ نے کہا کہ صرف دست باقی رہ گیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ سارا کچھ باقی ہے بجز اس دست کے۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ حدیث عربی زبان اور اس کے اندازِ گفتگو کا بہترین نمونہ ہے۔ عربی گفتگو میں عموماً وہ جزئی تفصیلات محذوف ہوتی ہیں جو اس کے بین السطور ہوتی ہیں یا فحوائے کلام سے بہ آسانی سمجھ میں آجاتی ہیں۔ مثلاً انهم ذبحوا کے لفظی معنی ہیں ان مردوں نے ذبح کیا۔ یہاں یہ ذبح کرنے والے کون لوگ ہیں اس کا جواب خود اسی عبارت کے اندر موجود ہے۔ روایت عائشہ صدیقہ سے ہے، ذبح کی جانے والی بکری کے متعلق سوال بھی ان ہی سے ہے اور پھر جواب بھی وہی دیتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حجرۂ عائشہ ہی کا واقعہ ہے۔ غالب قرینہ ہے کہ خود حضرت عائشہؓ ہی نے بکری ذبح کی تھی۔ انهم ذبحت (صیغۂ واحد مؤنث غائب) کی جگہ انهم ذبحوا (بہ صیغۂ جمع مذکر غائب) عربی زبان کا بہت عام اندازِ گفتگو ہے اور اس کی بے شمار مثالیں کلام عرب میں پائی جاتی ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک نابینا ازواج مطہرات کے پاس بے حجابانہ داخل ہو گیا۔ حضورؐ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ تو نابینا ہے اس سے پردے کی کیا ضرورت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں۔ لہٰذا لا یدخلن علیکم الخ یہ پھر تمہارے گھروں کے اندر نہ آئے۔ یہاں مخاطب صرف عورتیں (ازواج مطہرات) ہیں لیکن مخاطبت کے وقت علیکم (صیغۂ جمع مذکر مخاطب) کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ یہ واقعہ حجرۂ عائشہ ہی کا ہے لیکن اتنا حصہ چونکہ سیاق و سباق سے خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے اس لئے حذف کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں لفظاً اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ بکری ذبح ہونے کے بعد اقربا یا مساکین میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ لیکن اتنی بات خود حضورؐ کے اس سوال سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ ما بقی منها (اس میں سے کچھ بچا بھی؟) پھر آگے فنا و بقا کی جو نئی قدر حضورؐ نے دی اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے

مختلف حصّے مستحقین میں تقسیم کردئے گئے تھے۔ یہ بات خود عبارت کے بین السطور میں موجود ہے اس لئے یہ اصل عبارت میں محذوف ہے۔ قرآن، حدیث، کلام عرب کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ ہم نے صرف وضاحت کے لئے ان دونوں محذوفات کو بین القوسین لکھ دیا ہے۔ اس اصول کو مدِّ نظر رکھنا عربی عبارتوں کے سمجھنے میں خصوصیت کے ساتھ بہت مدد دیتا ہے۔

اس حدیث میں جو چیز خاص طور پر قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ فنا و بقا (کسی چیز کے ختم ہونے اور باقی رہ جانے) کی ایک نئی قدر بخشی گئی ہے۔ قرآنی اقدار ان اقدار سے بالکل مختلف ہیں جو انسانوں نے وضع کر رکھی ہیں۔ اس کی ایک دو نہیں بکثرت مثالیں ہیں۔ پیغمبر تو آتا ہی اس لئے ہے کہ انسانوں کی وضع کردہ غلط اقدار کو بدل دے۔ دنیا آنکھ والوں کو بینا، کان والوں کو شنوا اور زبان والوں کو گویا کہتی ہے لیکن اگر ان قوتوں کا صحیح استعمال نہ ہو تو قرآن ان ہی کان، زبان اور آنکھ رکھنے والوں کو صم بکم عمی (بہرے، گونگے اور اندھے) کہتا ہے۔ انسان ہر چلنے پھرنے والے کو زندہ کہتا ہے اور قرآن ان میں سے بہتوں کو موتیٰ (مُردے) کہتا ہے۔ اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ راہِ خدا میں جان دینے والوں کو دنیا مُردہ ہی کہتی اور مُردہ ہی سمجھتی ہے لیکن قرآن ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ بل احیاءٌ (یہ زندہ ہے) اور ولا تقولوا اور ولا تحسبنّ فرماکر مُردہ کہنے اور مُردہ سمجھنے دونوں ہی سے روک دیا ہے۔ اسی طرح اہلِ دنیا کی نگاہوں میں صدقات دینے سے مال میں کمی آتی ہے اور سود لینے سے اضافہ ہوتا ہے لیکن قرآن کی بخشی ہوئی قدر اس بارے میں یہ ہے کہ یمحق اللّٰہ الربوا ویربی الصّدقٰت۔ اللہ سود ہی کو مٹاتا اور صدقات ہی کو بڑھاتا ہے۔ قریب قریب یہی مضمون دوسرے انداز سے یوں دُہرایا گیا ہے کہ وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللّٰہ ھو خیراً واعظم اجرا۔ (کچھ دے کر جو تم اپنے لئے آگے بھیجتے ہو اسے بارگاہ ایزدی میں اس سے بہتر پاؤگے اور اس کا صلہ بھی بہت بڑا حاصل کروگے) مطلب یہ ہے کہ انجام کے اعتبار سے دینا کمی کا سبب نہیں ہوتا بلکہ یہی باعثِ اضافہ ہوتا ہے۔ تمہیں جو کچھ ختم یا فنا ہوتا نظر آتا ہے وہی اصل بقا ہے۔

یہی ہے وہ حقیقت جو حضورؐ کی زبان سے زیر بحث حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ حضورؐ نے جب سوال کیا کہ اس ذبح کی ہوئی بکری میں سے کیا بچ رہا؟ تو حضرت عائشہ کا وہی جواب تھا جو دنیا کے ہر شخص کا ہو سکتا تھا یعنی دست بچ گیا ہے۔ حضورؐ نے اُسی وقت فنا و بقا کی نئی قدر ختم ہونے اور بچ رہنے کا نیا پیمانہ عطا فرمادیا کہ حقیقت میں وہی باقی ہے جو بظاہر چلا گیا اور فانی وہی حصّہ ہے جسے تم بچا ہوا سمجھ رہی ہو۔

یوں بھی قانونِ فطرت کے معیار پر اس اصول فنا و بقا کو پرکھ کر دیکھئے تو صد فی صد یہی صحیح نظر آئے گا۔ ہر شے کو ایک نئی اعلیٰ تر بقا اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ فنا کی منزل سے گزر جائے۔ قانونِ ارتقاء کی ساری کائنات اسی اصول میں سمٹی ہوئی ہے۔ ابتدائی گیسوں سے لے کر امیبا، تک اور امیبا سے لے کر انسانی مخلوق تک ہر درجے کو نئی بقا اسی

وقت ملی جب اس نے اپنے پچھلے درجے کو فنا کے حوالے کر دیا ہو۔ ایک تخم جب اپنے آپ کو فنا کرتا ہے تو شجر بار آور کا وجود حاصل کرتا ہے۔ بیج اگر اپنے آپ کو فنا نہ کرے تو اسے نئی بقا نہیں مل سکتی بلکہ وہ اسی طرح پڑا رہے گا اور آخر کار کوئی نئی بقا حاصل کئے بغیر معدوم ہو جائے گا۔ پس دینا فنا نہیں، یہی اصل بقا ہے اور پس انداز کر لینا بظاہر بقا لیکن درحقیقت فنا ہے۔ یہی ہے وہ حقیقت اور وہ نئی قدر جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

قدرت نے اس کائنات کا جو نظام بنایا ہے اس کا بھی منشاء یہی ہے کہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کا اکتناز نہ کیا جائے بلکہ ضرورت مندوں میں اسے پھیلا دیا جائے۔ گوشت رکھ چھوڑیئے تھوڑی دیر میں خراب ہو جائے گا۔ غلہ رکھئے گھن لگ جائے گا۔ کپڑے رکھئے کیڑے چاٹ جائیں گے۔ (کپڑے اور کیڑے میں ایک ہی نقطے کا فرق ہے) ساز و سامان اکٹھا کیجئے سیلاب بہالے جائے گا۔ قیمتی اشیاء رکھئے چوری ہو گی یا ڈاکے پڑیں گے۔ جائداد اور بینک بیلنس پیدا کیجئے کوئی وارث مار ڈالے گا۔ غرض قدرت کا منشاء بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہ اکتناز کیا جائے نہ احتکار ہو۔ جو کچھ آئے وہ چلتی پھرتی چھاؤں کی طرح گردش میں رہے۔ یہ گردش انفاق کرنے یعنی خرچ کرنے اور دینے ہی سے قائم رہ سکتی ہے اور دینا فنا نہیں عین بقا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ پوری آبادی میں صرف چند آدمی اس اصول پر عمل کریں تو کوئی خاطر خواہ مقصد بقا نہیں حاصل ہو گا۔ ضرورت ایسے نظام کی ہے جس کے سارے افراد اس عمل میں ہم آہنگ ہو جائیں۔ اگر ایک گاؤں میں سیلاب آ رہا ہو اور دو تین آدمی مل کر اپنے حصے کا چند فٹ لمبا بند باندھ لیں تو سیلاب کا خطرہ ٹل نہیں سکتا۔ اس کے لئے پوری بستی کو تعاون کرنا پڑے گا اور پورا بند باندھنا پڑے گا۔ قرآن پاک پورے نظام معاشرہ کی بنیاد انفقوا (خرچ کرو) پر رکھتا ہے اور ہمارا موجودہ نظام کہتا ہے کہ SAVE (جمع کرو، پس انداز کرو) دونوں اصولوں میں تناقض ہے۔ لیکن کیا کیا جائے؛ قدریں بدلی ہی نہیں بلکہ الٹ گئی ہیں۔

(محمد جعفر)

ریاض السنۃ

مصنفہ شاہ محمد جعفر ندوی

یہ کتاب ان احادیث کا انتخاب ہے جو بلند حکمتوں، اعلیٰ اخلاقیات اور زندگی کو آگے بڑھانے والی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ یہ انتخاب احادیث اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ صفحات ۵۵۶۔ قیمت -/۱۰ روپے

سکرٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

طابع و ناشر: خلیفہ ڈاکٹر عبدالحکیم مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور مقام اشاعت: کلب روڈ لاہور